سوال

(281) نقصان دہ ولی کی ولایت نکاح کا حکم

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صائمہ بنت فقیر محمد ایک یتیم لڑکی ہے جس کی والدہ گونگی ہے حقیقی بھائی کوئی نہیں اور حقیقی چچا بھی نہیں ہے اس نے حسین نامی لڑکے سے بدون اپنے رشتہ داروں کی مرضی کے اپنے علاقائی بھائیوں کی اجازت سے ولی کا تقرر کیا اور نکاح کرلیا۔ لڑکا لڑکی کچھ عرصے چھپے رہے۔ راز افشا ہونے پر لڑکی کے ننھیالی اور دودھیالی رشتہ داروں نے طلاق کا مطالبہ کر دیا اور لڑکی کو واپس مانگا۔ ساجد کے والد نے اپنے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ صائمہ کے رشتہ داروں کا مطالبہ پورا کرے کیونکہ بصورت دیگر تنازعہ بڑھنے کا خدشہ تھا۔ نتیجتاً ساجد نے طلاق دی اب لڑکی حاملہ ہے۔ عدت ۹۷-۳-۱۴ کو پوری ہوگی۔ کیا ساجد مراجعت کرسکتا ہے؟ مندرجہ بالا بیان حلفاً درست ہے، قرآن وسنت کی رو سے فیصلہ فرمائیں۔

(حسین ساجد ولد عبدالحق عبید مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۴ مسجد غوثیہ سگھیاں ستارے بلاک گلشن راوی لاہور)

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

بشرط صحت سوال وبیان حلفی صورت مسئولہ میں تین باتیں تنقیح طلب ہیں۔

۱: کیا نکاح شرعاً منعقد ہوچکا ہے یا نہیں؟

۲: کیا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

۳: اگر واقع ہوچکی ہے تو کیا موثر ہوگئی ہے یا ابھی موثر نہیں ہوئی؟

اب ان تینوں باتوں پر تبصرہ اور مناقشہ پیش خدمت ہے۔

۱: اس حقیقت میں قطعاً کوئی ابہام نہیں کہ شرعی ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح منعقد ہوتا ہی نہیں جیسا کہ کتب احادیث میں زبان زدعام مشہور حدیث ہے:

(عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ»))(۱: اخرجہ، ابوداوٗد ج ۲ ص ۵۷، والترمذی ج 1 ص ۲۰۳، ۲۰۴ والدارمی ج ۲ ص ۱۳۷ والبیہقی ص ۱۰۷،۷

ازواء القلیل ج ٦ ص ٢٣٦ و نیل الاوطار باب لا نکاح الا بولی ج ا ص ١٣٥)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوتا"

(قال الحاکم وقد صحت الروایۃ فیہ عن الأزواج المطہرات عائشۃ وأم سلمۃ وزینب بنت جحش ثم سرد تمام ثلاثین صحابیا) (١ : ارواء الخلیل ج ٦ ص ٢٣٦)

کہ یہ حدیث صحیح نبی کریم کی بیوی حضرت عائشہ ، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سمیت تیس اصحاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔

اس حدیث کو امام علی بن مدینی ، امام بخاری اور حاکم نے بھی صحیح قرار دیا ہے ۔ امام حاکم سے حافظ ذہبی نے موافقت کی ہے ۔ اور امام ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے ۔

پس یہ حدیث اس بات کی قوی دلیل ہے اور اپنے حکم میں ایسی عام ہے کہ لڑکی خواہ کنوارہ ہو کہ بیوہ ہو بالغہ ہو یا نابالغہ بڑی یا چھوٹی کی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا مگر اس کا یہ مطلب اخذ کرنا ہرگز صحیح نہیں کہ عورت عن کل الوجوہ مجبور محض ہے اور اس کا ولی اس حد تک بے پناہ اختیارات کا مالک ہے کہ وہ اپنا یک طرفہ فیصلہ اپنی زیر ولایت لڑکی پر ٹھونس سکتا ہے ۔ شریعت اسے یہ اختیار عام ہرگز نہیں دیتی ۔ بلکہ صحیح نکاح کا انعقاد ولی کی زیر ولایت لڑکی کے باہمی افہام و تفہیم اور دونوں کی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے ۔ کسی ایک فریق (ولی یا لڑکی) کا یک طرفہ اقدام شرعاً ہرگز قبول نہیں پس ولی اگر زیادتی اور ظلم کی ٹھان لے تو وہ شرعاً حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ ولی کی ولایت سے مقصود لڑکی کی خیر خواہی ہے اور بھلائی ہے جب وہی ظلم پر آمادہ ہو جائے تو ولی کا ہے کا رہا ۔ مثلاً : ولی اپنی زیر ولایت لڑکی کی جائیداد ہتھیانے کے لئے کسی ایسے شخص کے ساتھ اس کا نکاح کرنا چاہے جو اس کا کفو نہ ہو ۔ یا لڑکی کو اس سے طبعی نفرت ہو یا اس طرح کی کوئی اور غرض ولی کے پیش نظر ہو مگر لڑکی کا روشن مستقبل اس کے مد نظر نہ ہو تو شریعت اس قسم کے ولی کو حق ولایت سے محروم کر دیتی ہے جیسا کہ احادیث میں یہ بات بڑے صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہے ۔

(عَائِشَةَ أَنَّہُ - صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - قَالَ « لَا نِکَاحَ إلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاہِدَيْ عَدْلٍ ، وَمَا کَانَ مِنْ نِکَاحٍ عَلَی غَیْرِ ذَلِکَ فَھُوَ بَاطِلٌ ، فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَہُ ») (٢ : سبل السلام ج ٢ ص ١٢١ نیل الاوطار باب الشھادۃ فی النکاح 6 ص ١٢٦ و ارواء الخلیل ج ٦ ص ٢٤٠)

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی شہادت کے ساتھ ۔ اگر ولیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو سلطان (قاضی وغیرہ) اس کا ولی بن جاتا ہے جس کا کوئی اور ولی نہ ہو گویا جھگڑے کی صورت میں ولی حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہو ہے یعنی ولی ولی ہی نہیں رہتا کیونکہ جھگڑے اور ضد بازی کی صورت میں لڑکی کا روشن مستقبل ولیوں کی سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس ولی سے بھلائی اور نفع کی امید نہ ہو وہ ولی ازروئے شریعت ولایت کے حق سے معزول ہو جاتا ہے ۔

(إذا کان الولی مضارا فولت رجلا وأنکحھا فنکاحہ جائز) (١ : رواہ الدار قطنی مع التعلیق المغنی وفتاویٰ اھل حدیث ج ٢ ص ٤٠٧)

"ولی جب عورت کو نقصان پہنچانے والا ہو اور کسی دوسرے ذمہ دار آدمی کو اپنا ولی مقرر کر کے نکاح کرے تو اس کا یہ نکاح جائز نکاح ہو گا"

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کو نقصان پہنچانے والا شخص اس کا ولی نہیں بن سکتا ۔

امام شافعی کتاب الام میں یہ روایت لائے ہیں :

(عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ « لَا نِکَاحَ إلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاہِدَيْ عَدْلٍ ») (٢ : کتاب الام ج ٥ ص ١٩ و نیل الاوطار ج ٦ ص ١٢٩ باب الشھادۃ فی النکاح والدار قطنی ج ٣ ص ٢٢٢ وفی ارواء الخلیل عن ابن عباس قال لا نکاح لا باذن ولی مرشد او سلطان ج ٦ ص ٢٣٩ وفتح الباری ج ٩ باب السلطان ولی لا نکاح الا بولی مرشد او سلطان ج ٩ ص ١٥٧

یعنی ہدایت والے ولی یا سلطان وقت کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ولی ہدایت والا اور لڑکی کی خیر خواہی چاہنے والا ہونا چاہیے۔ اگر وہ ان اوصاف میں کورا ہو تو وہ ولی بننے کا اہل نہیں۔ غرض یہ کہ نکاح کی صحت کے لئے ولی کا ہونا از بس ضروری ہے، ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

چونکہ سوالنامہ کی خط کشیدہ صراحت کے مطابق مسماۃ صائمہ بنت فقیر محمد نے اپنے علاقائی (کی طرف سے) بھائیوں کی اجازت سے کسی دوسرے شخص کو اپنا ولی بنا کر نکاح کیا ہے لہٰذا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے۔ کیونکہ والد کے بعد بیٹا اور اگر یہ بھی نہ ہو پھر عورت کا بھائی اس کا شرعی ولی بن سکتا ہے جیسا کہ ہندو پاکستان کے نامور مفتی اور مشہور عالم دین حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمتہ اللہ علیہ یہ تصریح فرماتے ہیں:

"بہر صورت عورت کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے اول نمبر والد ہے۔ بعض اول نمبر بیٹے کو کہتے ہیں، اگر یہ ظلم کریں تو بھائی اس کے بعد چچا، پھر دادے کی اولاد اس طرح اوپر تک جہاں تک اپنے نسب کا علم ہو۔ غرض باپ کی طرف سے حق ولایت ہے۔ ماں کی طرف سے نہیں کیونکہ ماں کی قرابت کمزور ہے اس لئے ماموں یا نانا وارث نہیں ہوتے الخ۔) (۳: فتاویٰ اھلحدیث ج ۲ ص ۴۰۷، ۴۰۸)

چونکہ یہ نکاح باپ کی طرف سے بھائیوں کی اجازت کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا اب دور کے چچا اور ماموں کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا شرعاً حق حاصل نہیں۔

جواب: تنقیح نمبر ۲: چونکہ یہ طلاق حسین ساجد ولد عبدالحق عبید نے اپنے والد کی ہدایت پر اور مشورہ کے بعد بقائمی ہوش و حواس اپنے اختیار سے دی ہے لہٰذا یہ طلاق بلاشبہ واقع ہو چکی ہے مگر چونکہ یہ تینوں طلاقیں مجلس واحد میں دی گئی ہیں اور صحیح مسلم کتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۷ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث:

(كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً)

کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی اور رجعی طلاق میں اندر عدت نکاح بحال اور رجوع شرعاً جائز ہوتا ہے۔ اور یہ طلاق چونکہ حمل کے دوران دی گئی ہے اور ابھی تک مسمات صائمہ بنت فقیر محمد سوال نامہ کی مخطوطہ تصریح نمبر ۲ کے مطابق حاملہ ہے، لہٰذا عدت ابھی پوری نہیں ہوئی کیونکہ قرآن مجید کی نص جلی کے مطابق حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ... ٤ ... الطلاق

پس نکاح سابق بحال اور قائم ہے لہٰذا ساجد ولد عبدالحق عبید اپنی بیوی صائمہ دختر فقیر محمد سے رجوع کر سکتا ہے۔ نہ حلالہ کی ضرورت ہے اور نکاح ثانی کی حلالہ تو ویسے بھی بے غیرتی کا مظہر اتم اور ملعون فعل ہے یہ جواب بشرط صحت سوال ایک شرعی مسئلہ کا اظہار ہے اور بس۔ مفتی کسی عدالتی کاروائی اور قانونی جھمیلوں میں ہرگز مسئول نہ ہوگا

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ محمدیہ

ج1ص712

محدث فتویٰ